وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِىْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

مسئلہ

حیوۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مرتب:

حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

مطبوعات نادیۃ الادب الاسلامی ـــــ (۹)

مسئلہ حیوۃ النبی

مرتبہ

مولانا اخلاق حسین قاسمی

ناشر
مرکزی مکتبہ نادیۃ الادب الاسلامی پاکستان ملتان شہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی رحمہ اللہ

آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اجل تھے۔ دہلی میں رہتے تھے۔ آپ نے ''حیات النبی ﷺ'' کے عنوان پر ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔ ملتان میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بڑے صاحبزادہ مولانا سید عطاء المنعم شاہ بخاری نے ''نادیۃ الادب الاسلامی'' کے نام سے ایک علمی ادبی انجمن قائم کی تھی۔ آپ نے اس اکیڈمی کے تحت نومبر ۱۹۵۵ء میں اس مضمون کو اپنے مقدمہ کے ساتھ پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا۔ مارچ ۱۹۵۶ء میں اس کا چوتھا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کو جسے ہم اس مجموعہ میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلیٰ آلہ وصحبہ الذین اوفوا عہدہ اما بعد!

۱...... موجد کی صناعی اور مجوبہ کاری کا اثر اس کی ایجاد واختراع میں نظر آتا ہے، مربی کے طرز تربیت اور انداز پرورش کا نشان اس کے مربوب اور پروردہ کے عادات واخلاق میں نمایاں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایک داعی اور ایک ہادی کے نہج تبلیغ ودعوۃ اور طریق ہدایۃ ورہبری کے آثار اس کی امت کے علم وعمل میں جلوہ گر ہوں گے۔

۲...... جس امت کے صلحاء تو درکنار عوام کو یہ شرف حاصل ہو کہ ان کے نیک اعمال کی بدولت موت کے بعد اور قیامت سے پہلے انہیں برزخ کے آثار محمودہ سے حصہ ملے تو اس کے نبی کے احوال دنیا آثار برزخ اور واردات آخرت کا کیا عالم ہوگا؟

۳...... اوّل المسلمین، اولیٰ بالمومنین، اعلم الاوّلین والآخرین، قائد المرسلین وخاتم النبیین پیغمبر انقلاب سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود گرامی خالق مطلق کے کمال قدرۃ کا بے نظیر نمونہ ہے۔ اگر اسلام کا خدا اپنی ذات وصفات میں وحدہ لاشریک لہ ہے اور اسلام کا قرآن اپنی اکملیت اصول اور تمامیت قوانین میں وحدہ لاشریک لہ ہے تو اسلام کا رسول بھی اپنی جامعیت اخلاق ومناقب اور خاتمیۃ نبوت ورسالت کی بدولت وحدہ لاشریک لہ ہے۔

۴...... نبی علیہ السلام کو جیسے دیگر اخلاق وصفات میں بطور معجزہ ساری کائنات پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح حیات برزخیہ میں بھی انہیں تمام عالم پر فوقیۃ حاصل ہے کہ وہ قانون کل نفس ذائقۃ الموت سے دوچار ہونے کے باوجود روضہ مطہرہ میں اپنے ہی اقوال صادقہ اور مصدقہ کی رو سے بقید جسم وروح، روح کے ساتھ احساس وعلم اور اثر وتصرف کی شان سمیت استراحت پذیر ہیں۔

''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں (حقیقتاً) زندہ ہیں اور (قوانین برزخ کے مطابق) نمازیں پڑھتے ہیں۔ (رواہ البیہقی فی سنن)

۵...... زیر نظر رسالہ میں اسی اعتقادی گوشہ کو کتاب وسنۃ اور اجماع امت کی روشنی میں امۃ وسطاً کے سچے مصداق حضرات اکابر دیوبند (کثّر اللہ امثالہم وحشرنا بفوضھم آمین) کے محفوظ اور حقانی مسلک کے مطابق پوری متانت، مضبوط استدلال اور وضاحت کے ساتھ واشگاف کیا گیا ہے اور اہل بدعت کے اس افتراء اور لغو اعتراض کا نہایت حسین ومؤثر مگر خاموش اور مثبت جواب دیا گیا ہے کہ اہل دیوبند حیات الانبیاء کے قائل نہیں ہیں۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند'' والکذب یہلک فالعیاذ باللہ''

توقع ہے ہر سعید روح اور قلب صافی اس تحریر سے صراط مستقیم کو پانے میں کامیاب ہوگا۔ ''من یھدہ اللہ فلا مضل لہ'' اللہ تعالیٰ ہم سب کو تخلق باخلاق اللہ والرسول کی توفیق اور دین وعلم کے آثار وبرکات کو اہل حق کے واسطہ سے ان کی اصلی شکل میں حاصل کرنے کا شرف نصیب فرمائے۔ آمین! امید ہے کہ جملہ اہل اسلام اس رسالہ توسیع اشاعت سے ادارہ نادیہ کے استحکام اور خدمت دین کی مہم میں قابل قدر تعاون پیش کریں گے۔ فاللہ الموفق وعلیہ التکلان وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین! عصر الخمیس ۸/۴/۱۳۷۵ھ، ۲۴/۱۱/۱۹۵۵ء

راقم السطور خادم العلم والعلماء سید ابوذر بخاری غفرلہ الباری امیر نادیۃ الادب الاسلامی پاکستان
ومہتمم مدرسہ حریۃ اسلامیہ نمبر ۲۳۲ کوٹ تغلق خان ملتان شہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ حیات النبی ﷺ دیو بندی مکتب خیال کی روشنی میں

اس عقیدہ پر تو ساری امت کا اتفاق ہے کہ سرور عالم ﷺ حیات ہیں۔ لیکن وہ حیات کیسی ہے؟ برزخی (روحانی) یا دنیوی (جسمانی) اس کے جواب میں علماء کے دو مشہور مسلک سامنے آتے ہیں۔ ایک طبقہ جسمانی زندگی کا قائل ہے اور کچھ حضرات صرف روحانی اور برزخی زندگی کے۔

پہلا طبقہ کہتا ہے: سرور عالم ﷺ قبر شریف میں اسی طرح حیات ہیں جس طرح آپ جسم مبارک کے ساتھ دنیا میں حیات تھے۔

دوسرا طبقہ کہتا ہے: آپ کی حیات برزخی ہے جیسی کہ شہداء فی سبیل اللہ کی۔ لیکن نہ صرف ان جیسی بلکہ ان سے بہت ممتاز اور افضل۔

پہلے طبقہ کی ترجمانی حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں اس کی طرح کی ہے۔ جسمانی زندگی کے دلائل:

پہلی دلیل: انبیاء علیہم السلام کے اجسام قبروں میں محفوظ ہوتے ہیں زمین کے لئے ممنوع ہے کہ وہ انہیں گلائے یا سڑائے۔ ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔ (بوادر النوادر ص ۵۰ بحوالہ ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم)

قبروں میں جسم اسی لئے محفوظ ہیں کہ ان کے ساتھ روحوں کا تعلق قائم ہے۔ اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ (مشہور تابعی) نے جسموں کی حفاظت کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا ہے ''بلغنی ان الارض لاتسلط علی جسد الذی لم یعمل خطیئة'' مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ زمین اس جسم پر مسلط نہیں کی جاتی جس نے گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ (تفسیر مظہری بحوالہ طبرانی عن جابر رضی اللہ عنہ)

حضرت قتادہ نے حیات انبیاء کی اصل وجہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی جو جسم گناہوں کی آلودگی سے پاک ہیں وہ جسمانی عالم سے جدا ہونے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں اور زمین ان کا ایک رونگٹا بھی خراب نہیں کرسکتی۔ یہ مسلم ہے کہ خطاؤں سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی دوسرے کو عصمت حاصل نہیں۔ اس لئے ان ہی کے اجسام قبروں میں محفوظ ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر قبروں میں جسموں کی حفاظت اس بات کی دلیل ہے کہ حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جن کے جسم قبروں میں محفوظ رہتے ہیں۔ مثلاً خود سرور عالم ﷺ نے قرآن کے حافظوں کے متعلق فرمایا: ''اذا مات حامل القرآن اوحی اللہ تعالیٰ الی الارض ان لا تاکل لحمه فتقول الارض یا رب کیف اکل لحمه و کلامک فی جوفه'' جب حامل قرآن مرتا ہے تو خدا تعالیٰ زمین کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کا گوشت نہ کھائے تو وہ کہتی ہے اے پروردگار میں اس کا گوشت کیسے کھا سکتی ہوں۔ جب تیرا کلام اس کے سینے میں محفوظ ہے۔ (تفسیر مظہری)

اسی طرح احد کے شہیدوں کے متعلق یہ ثابت ہے کہ ان کی لاشیں اپنے مدفن میں محفوظ نکلیں۔ جب واقعہ احد کے چالیس سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں میدان احد میں نہر نکالنے کے لئے زمین کھودی گئی تو حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن جبیر رضی اللہ عنہ انصاری کی لاشیں بالکل تر و تازہ پائی گئیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر کدال لگنے سے ان کے پیر میں سے خون نکلا۔ (تفسیر مظہری)

یہ واقعات صحیح ہیں اور سرور کائنات کا ارشاد بھی درست ہے۔ لیکن یہ محض جزوی فضیلتیں ہیں۔ جو اظہار کرامت کے طور پر خدائے تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا فرما دیتا ہے۔ یہ کوئی عام کلیہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر حافظ قرآن کا جسم لازمی طور پر محفوظ رہتا ہے یا بلا استثناء ہر شہید کے جسم کو قبر میں وہ خاص حفاظت میسر ہوتی ہے۔ جس کا اعلان انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق کیا گیا ہے۔

جزوی فضیلت کے خاص خاص واقعات میں اور کلیہ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ سرور عالم ﷺ کا جسم پاک قبر میں محفوظ ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ جس یقین کے ساتھ ہم اس حقیقت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کسی نیک سے نیک انسان کے بارے میں بھی اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

سرور عالم ﷺ کے جسم اطہر کا قبر میں محفوظ ہونا ایک تاریخی حقیقت کے طور پر بھی ثابت ہو چکا ہے۔ اس واقعہ سے جو پانچ سو ستاون ۵۵۷ھ میں سلطان نورالدین زنگی رحمہ اللہ کے ساتھ پیش آیا اور جسے مدینہ منورہ کے تمام مؤرخین جمال مطری، علامہ مجدالدین فیروزآبادی وغیرہ نے اپنی تاریخوں میں بیان کیا ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷۸)

دوسری دلیل: عام طور پر موت کے بعد انسان کے جسم میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے چہرے پر وحشت برسنے لگتی ہے، ہاتھ پیر اکڑ جاتے ہیں۔ ناک کا بانسہ پھر جاتا ہے۔ لیکن سرور عالم ﷺ کا جسد اطہر اس قسم کے تمام تغیرات سے محفوظ رہا۔ وصال کے بعد کسی نے آپ کے روئے انور میں کوئی ادنیٰ فرق بھی محسوس نہیں کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں: غسل دیتے وقت میں نے حضور ﷺ کے جسم میں وہ علامات تلاش کیں جو مرنے کے بعد انسان میں نمودار ہو جاتی ہیں۔ لیکن باوجود تلاش کے میں نے کوئی علامت نہیں پائی۔ "بابی انت وامی ماطیبک حیاً و میتاً" میرے ماں باپ آپ پر قربان! کس قدر پاکیزہ رہے آپ زندگی میں بھی اور موت میں بھی۔ (ابن ماجہ کتاب الجنائز)

ہر دور میں علمائے امت نے اس تاریخی حقیقت کی پوری قوت سے حفاظت کی۔ اگر کسی نے اس کے خلاف کچھ کہا تو اس کے ایمان میں کلام ہونے لگا۔

وکیع ابن جراح نے اسامیل ابن خالد سے یہ کہا کہ وفات کے بعد سرور عالم ﷺ کا پیٹ پھول گیا تھا،

انگلی مڑ گئی تھی اور ناخن سبز ہوگئے تھے۔ کیونکہ آپ پیر کے دن کے وفات پائے ہوئے بدھ کی رات کو دفن کئے گئے تھے اور اس کی حکمت یہ بیان کی: اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کی جماعت میں سے جن لوگوں نے آپ کی وفات کا انکار کیا تھا وہ ان علامات کو دیکھ کر آپ کی وفات کا یقین کرے۔

وکیع کی باتیں جب مکہ کے والی حاکم عثمان کے پاس پہنچائی گئیں تو حاکم نے وکیع کو حرم سے باہر پھانسی دینے کا حکم دیا۔ سفیان ابن عیینہ کو والی مکہ کا یہ فیصلہ معلوم ہوا، انہوں نے آکر وکیع کے لئے سفارش کی۔ والی مکہ نے ان کی سفارش قبول کر لی اور وکیع مکہ سے مدینہ طیبہ چلے گئے۔ (نسیم الریاض شرح شفاء ج: ص ۳۹۰)

سرور عالم ﷺ کے جسد مبارک میں تغیر نمودار ہونے کی روایت کو ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے۔ اس کے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ابن سعد عرصہ سے مفقود تھی، اسے اب یورپ والوں نے چھپوایا ہے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اصل نسخہ کے مطابق ہے یا اس میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس میں امہات المؤمنین اور حضور ﷺ کی وفات سے متعلق بعض ایسی روایات موجود ہیں جن کا دوسری اسلامی تصنیفات میں باوجود تلاش کے کہیں پتہ نہ چلا۔ پھر ابن سعد خود بھی کوئی ایسی کتاب نہیں جس کی تمام روایات قابل قبول ہوں۔ لہٰذا اس کی وہی باتیں قابل اعتبار ہوسکتی ہیں جو تفسیر وحدیث کی دوسری متداول کتابوں میں موجود ہیں۔ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں جو قاعدہ لکھا ہے اس کا حاصل یہی ہے۔

تیسری دلیل: (۱) پہلی حدیث: "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (بحوالہ مسند ابو یعلیٰ عن انس)

(۲) دوسری حدیث: خدا تعالیٰ نے کچھ فرشتے اس کام کے لئے پیدا کئے ہیں کہ وہ زمین پر گشت کریں اور میری امت کا درود وسلام مجھ تک پہنچائیں۔ (نسائی عن ابن مسعود)

(۳) تیسری حدیث: امام عبدالحق جو کبار محدثین میں سے ہیں انہوں نے احکام صغریٰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح روایت نقل کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے اس مسلمان بھائی کی قبر پر جاتا ہے جس مسلمان کو وہ جانتا تھا اور جا کر سلام کرتا ہے تو وہ صاحب قبر اسے جواب دیتا ہے۔ پس جب عام مسلمانوں کے بارے میں یہ ثابت ہے تو حضور ﷺ تو ہر حال میں افضل واکمل ہیں۔

(۴) چوتھی حدیث: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر فرشتے تمہارے اچھے اعمال مجھ تک پہنچاتے ہیں تو میں خوش ہوتا ہوں اور اپنے پروردگار کا شکر یہ ادا کرتا ہوں اور اگر برے اعمال پہنچاتے ہیں تو ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔

ان احادیث کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں: ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ سرور عالم ﷺ کو اپنی قبر شریف میں حیات حسی حاصل ہے۔ نہ صرف حیات معنوی جیسی کہ شہیدوں کو حاصل ہوتی ہے۔

دوسرے طبقہ میں علامہ علاؤالدین قونوی جو علماء شافعیہ میں ایک بڑے صاحب تصوف بزرگ ہیں۔ حضور ﷺ کی زندگی پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ اپنے پروردگار کے پاس جنت الماوی میں حیات متعارف سے بہتر حیات کے ساتھ قیام گیر ہیں اور یہ حالت قبر میں مقیم رہنے کی حالت سے کہیں زیادہ افضل و بہتر ہے۔

اگر چہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن کی قبر حد نگاہ تک وسیع ہوتی ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کی قبروں کا کیا کہنا۔ لیکن اس کے باوجود آپ کا جنت الماوی میں ہونا افضل و اعلیٰ حالت ہے۔

چنانچہ خود حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں اپنے پروردگار کے پاس تم سے بہتر حالت میں ہوں گا۔ کیونکہ مجھے میرا رب تین روز کے بعد قبر میں نہیں چھوڑے گا۔

شاہ صاحب علامہ کے عقیدہ پر لکھتے ہیں: قبر شریف کے قیام اور پروردگار کے پاس قیام ان دونوں باتوں میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ قبر کی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اتنی قدرت عطا فرمائی ہے کہ آپ جہاں چاہیں جائیں۔ بعینہ یا بمثالہ۔ لیکن ہر حال میں آپ کو اپنی قبر شریف کے ساتھ ایک خصوصی نسبت قائم رہتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب ایک مومن کی قبر کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن کی قبر جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔ پھر اس لحاظ سے نبی کی قبر تو جنت کا عمدہ ترین ٹکڑا ہونا چاہئے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی قبر اور زمین و آسمان اور جنت و عرش کے درمیان سے تمام پردے اٹھا دیئے ہیں اور آپ کو اتنا تصرف اور نفوذ حاصل ہو گیا ہے کہ آپ بلا انتقال مکانی جہاں چاہیں تشریف لے جائیں۔ یہ بات اس عالم کے لئے ممکن ہے کیونکہ احوال دنیا محدود ہیں اور احوال برزخ غیر محدود ہیں۔

قبر شریف کے متعلق علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں: وہ کون سی جنت ہے جو حضور ﷺ کی قبر مبارک سے افضل ہوگی۔ آپ کی قبر مبارک جنت ہی سے نہیں بلکہ تمام مقاموں سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ اس قطعہ مبارک کا جو حصہ حضور کے جسم اقدس سے ملحق ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے تو اس میں بھی کسی مومن کو توقف نہیں ہو سکتا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷۸)

ان دونوں طبقوں کی تشریحات آپ کے سامنے پیش کر دی گئیں۔ اب اس مسئلہ پر دیوبندی مکتب خیال کی وہ تشریح ملاحظہ کیجئے جو متقدمین کے سارے اختلافات کو ختم کر کے تمام صورتوں میں بہتر تطبیق پیدا کرتی ہے۔ نہ نصوص میں کوئی اشکال باقی رہتا ہے اور نہ عقلاً کوئی الجھاؤ سامنے آتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب میں زیارت قبر نبوی ﷺ کے

متعلق حافظ ابن تیمیہ کے مسلک کو مرجوح قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: مدینہ منورہ کی حاضری محض سرور کائنات ﷺ کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہئے۔ آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مؤمنین اور شہداء کو حاصل ہے۔ بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی زمانہ میں بھی کیا جانا چاہئے۔ محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۳۱)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند جو ہمارے اکابر میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے علوم و معارف کے بہترین شارح ہیں۔ اس مسئلہ پر تحریر فرماتے ہیں: حضور ﷺ کی حیات برزخی ہے مگر اس قدر قوی ہے کہ بلحاظ آثار وہ دنیوی بھی ہے یعنی دنیا میں جب تک حضور ﷺ تشریف رکھتے تھے حیات ناسوتی تھی۔ مگر اسی آن وہ برزخی بھی تھی اور برزخ ایک درمیانی عالم ہے وہ حیات اخروی بھی تھی۔ چنانچہ اسی حیات ناسوتی اور اسی جسم اطہر کے ساتھ سماوات اور ارضین طے کرتا عرش تک جا پہنچنا، مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنا ظاہر ہے کہ ترک جسد کے ساتھ نہ تھا۔ پس حیات تو اسی جسدانی عالم کی تھی لیکن جسد اطہر خود اتنا لطیف تھا کہ وہ اسی آن عالم برزخ بلکہ عالم غیب کے معاملات اور مشاہدات کی طاقت لئے ہوئے تھا۔ پس اگر وہی جسد اطہر جو دنیا میں ہمرنگ روح تھا، بعد وفات اگر عالم برزخ میں پہنچ کر بحق دنیا اسی طرح زندہ رہے جیسے معراج کے وقت سارے غیبی عالموں میں پہنچ کر اپنی جسدانی ہستی کو بحق دنیا سنبھالے ہوئے رہا اور دنیوی حقوق اس کے بدستور قائم رہے تو اس میں تعجب یوں نہیں کہ یہ معاملہ تو اس جسد پاک کو بوقت معراج پہلے بھی پیش آچکا تھا۔ فرق اتنا ہوا کہ شب معراج میں جسم اطہر کے ساتھ روح پرفتوح کا تعلق حسی طور پر اس طرح قائم تھا کہ اگر ہم ہوتے تو ہم بھی احساس کر سکتے تھے اور بعد وفات اسی طرح حسی طور پر قائم نہیں رہا کہ ہمیں بھی نظر آئے۔

سو یہ قصہ ہمارا ہوا نہ کہ تعلق روح و جسد کی نوعیت کا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد وفات حضور ﷺ کے ہونٹوں میں حرکت ہوئی۔ جنازہ میں کلام فرمایا کہ "ہنر اریس و ما ہنر اریس سوف تعلمون" اور قبر میں کلام فرمایا جس کو بعض صحابہ نے سنا۔ یہ تو وفات کے بعد فوری بات تھی کہ روح نے جسم کو کلیۃً نہیں چھوڑا لیکن بعد میں تا حشر بھی روح کا وہی تعلق بدن سے قائم رہے گا۔ جیسا بنص حدیث اجساد انبیاء کا مٹی پر حرام ہونا ثابت ہے۔ اگر ان ابدان میں کوئی روح نہیں ہے تو انہیں گل جانا چاہئے۔ پھر حیات کا یہ اثر عالم برزخ میں ہے عالم دنیا میں یہ ہے کہ ان کے اموال میں میراث جاری نہیں ہوئی۔ ان کی ازواج میں بیوگی نہیں آتی۔ ان کے نکاح حرام ہوتے ہیں، نہ صرف عظمت انبیاء کی وجہ سے بلکہ حقیقتاً حیات کی وجہ سے کہ وہ بیوہ ہی نہیں ہیں۔

پس انبیاء کی یہ برزخی حیات جسمانی از قبیل حیات دنیوی بھی ہے کہ اجسام میں حس و حرکت بھی ہے، قبروں میں عبادت بھی ہے کلام بھی ہے، امت کی طرف توجہ بھی ہے، تصرف بھی ہے، بقاء اجسام بھی ہے اور حیات

اجسام بھی ہے، پھر یہی حیات ازقبیل حیات برزخی بھی ہے کہ نگاہوں سے اوجھل ہیں ان کی آواز ان کانوں میں نہیں آتی اور کلام ان حسّی کانوں میں نہیں پڑتا۔ نیز توجہ الی الامۃ اور رخ کا پھیرنا ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ سو اس میں ہماری کمزوری اور ضعف قویٰ کو دخل ہے نہ کہ ان آثار کے موجود نہ ہونے کے یا قابل وجود ہونے کا۔ بالفاظ مختصر دونوں حیاتیں اس طرح جمع ہیں کہ حیات برزخی اصل ہے اور حیات دنیوی اس کے تابع یعنی وہ عیناً موجود ہے۔ یہ آثاراً موجود ہے۔ اسی طرح دونوں حیاتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ مگر نہ استعارۃً بلکہ حقیقتاً۔ پہلی حیات یعنی دنیوی زندگی میں عین نبوی اس جہان میں تھا اور تمثل اس جہان میں (اور عکس یا تمثال عین شئی ہوتا ہے) اور اس دوسری حیات میں عین نبوی اس جہان میں ہے اور تمثل اس جہان میں جیسے وہاں کا تمثل ہر کس وناکس نہیں دیکھ سکتا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ عکس شئی اور شئی میں عینیت کا علاقہ ہوتا ہے۔ اگر تباین کا ہو تو مثال یا صورت دیکھ کر کبھی بھی عین کا تعارف نہ ہوا کرے۔ اس لئے جس جہاں میں جب بھی وجود ہو، دوسرا وجود اس کا عین ہے۔ اس لئے حضور ﷺ اس برزخی جہان میں رہ کر متجلی اور منعکس ہوں تو بعینہٖ ہیں نہ کہ کسی استعارہ یا تشبیہ کے طور پر۔ واللہ اعلم!

ایک اشکال اور اس کا حل

مسئلہ حیات النبی ﷺ پر ایک مشہور اشکال ہے جو حسب ذیل حدیث پر پیدا ہو گیا ہے۔ ضروری ہے کہ بحث کی تکمیل کے لئے اس کی بھی وضاحت کر دی جائے۔ حدیث یہ ہے: ''مامن احد یسلم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام'' جب مجھ پر کوئی سلام بھیجتا ہے تو خدا تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث نے یہ سوال پیدا کر دیا کہ حضور ﷺ کی روح آپ کے جسد پاک سے جدا رہتی ہے۔ اس وجہ سے سلام کا جواب دینے کے لئے آپ کے تن پاک میں اس کا لوٹانا ضروری ہوتا ہے۔ پھر اگر یہ بات ہے تو حیات جسمانی کے کیا معنی؟

اس اشکال کا جواب ایک تو حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے دیا ہے۔ فرماتے ہیں: سرور عالم ﷺ کی روح ہمیشہ مشاہدہ الٰہی میں مستغرق رہتی ہے۔ جب کوئی مسلمان آپ پر درود بھیجتا ہے تو آپ کی روح کو افاقہ دے کر اس عالم کی طرف توجہ دینے کی فرصت دے دی جاتی ہے تاکہ آپ اس کا جواب دے سکیں۔''

حضرت شاہ صاحب کے جواب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ کو مشاہدہ میں استغراق کا موقع ہی نہیں ملتا۔ کیونکہ کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں آپ پر درود وسلام نہ بھیجا جاتا ہو تو پھر آپ کی توجہ اس عالم کی طرف ہر آن لگا رہنا ضروری ہوا۔

اس اشکال کی وضاحت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے اپنے ایک مکتوب میں اس طرح فرمائی ہے۔

''اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہوسکتا ہے الی اور علی کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا۔ علیٰ استعلاء کے لئے آتا ہے اور الی نہایت طرف کے لئے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا۔ نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے۔

چونکہ آنحضرت ﷺ مدارج قرب ومعرفت میں ہر وقت ترقی پذیر ہیں۔ اس لئے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کردیتا ہے۔ چنانچہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہدہ ہوتی ہیں۔ مگر جب رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنایا گیا ہے۔ اس لئے بارگاہ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لئے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطا فرمائی گئی ہے کہ خود سرور کائنات ﷺ کو اس استغراق سے منقطع کرکے درود بھیجنے والے کی طرف متوجہ کردیا جاتا ہے اور آپ اس کی طرف متوجہ ہوکر اس کے لئے دعا فرماتے ہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۲۴۳)

جو اشکال حضرت شاہ صاحب پر وارد ہوتا ہے وہی اشکال اس جواب پر بھی وارد ہوسکتا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد میں اس گتھی کو سلجھایا ہے۔ لکھتے ہیں ''اس کی گرہ یوں کھلتی ہے کہ وہاں آسمان پر جو موسیٰ علیہ السلام کو آپ نے دیکھا تو وہ ان کی روح کا مقام ومستقر تھا اور قبر ان کے جسم کا جہاں وہ قیامت تک روح کے لوٹانے تک رہے گا۔ اسی طرح آپ نے ان کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا۔ جس طرح وفات کے بعد آنحضرت ﷺ اس سے بلند تر مقام یعنی رفیق اعلیٰ میں بھی قرار گیر ہیں اور جسم مبارک قبر شریف میں بھی موجود ہے۔ جب درود وسلام بھیجنے والا آپ پر سلام بھیجتا ہے تو خدا تعالیٰ آپ کی روح کو واپس کرتا ہے تاآنکہ آپ جواب دیتے ہیں حالانکہ مقام رفیق سے آپ علیحدہ نہیں ہوئے۔ جو موٹی طبیعت کا آدمی اس مطلب کو نہ سمجھ سکے اسے چاہئے کہ آفتاب کی مثال کو سمجھے کہ اس کی دوری اور بلندی کے باوجود اس کا تعلق زمین سے قائم ہے اور اس کے اندر وہ اثر ڈالتا ہے اور نباتات وحیوانات کی زندگی میں اس کو دخل ہے۔ پھر روح کا مرتبہ تو اس سے بدرجہا زیادہ ہے۔ کیونکہ روح کا معاملہ اور ہے اور جسم کا معاملہ اور ہے۔ دیکھو آگ اپنی جگہ رہتی ہے اور اس کی گرمی دور کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ روح اور بدن کا باہمی تعلق تو اس سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے۔ اس لئے کہ روح آگ سے زیادہ اعلیٰ اور لطیف ہے۔

فقل للعیون الرمد ایاک ان تری سنا الشمس فاستغشی ظلام اللیالیا

گرد آلود آنکھوں سے کہہ دو کہ وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں۔ کیونکہ انہیں راتوں کی تاریکی نے ڈھانپ لیا ہے۔ (زادالمعاد ج ۱ ص ۳۰۴)

اب وہ جواب ملاحظہ کیجئے جو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب آب حیات میں دیا ہے۔ مولانا رحمہ اللہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امت کی طرف توجہ فرمانے سے حضور ﷺ کے استغراق میں قطعاً فرق نہیں پڑتا۔ فرماتے ہیں "روح پرفتوح نبوی ﷺ جب منبع اور اصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مؤمنین امت ٹھہری تو جون سا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹنے کا ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے کہ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع اسلام تو ہوگا۔ پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔ آخر شعب غیر متناہی اور ہیں۔" (آب حیات ص ۲۲۳)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اس عبارت کی تشریح میرے ایک استفسار پر اپنے مکتوب گرامی میں اس طرح فرماتے ہیں "آب حیات وہ کتاب ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے یہ کتاب استاد رحمہ اللہ سے درساً درساً پڑھی ہے تب مصنف کے مدارک پر مطلع ہوا ہوں، میں نے مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمہ اللہ سے اس واقعہ کا حوالہ دے کر عرض کیا تھا کہ مجھے یہ کتاب آپ پڑھا دیں تو انہوں نے بایں ذہن وذکا فرمایا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہوسکتی ہے اور پھر اس کا بھی ایک ٹکڑا جس کا سیاق وسباق بھی سامنے نہ ہو تو خیال فرمائیں کہ ہم جیسوں سے کیا بن پڑے گا۔ تاہم "مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ"

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا یہ ایک مستقل نظریہ ہے اور عین مطابق کتاب وسنت ہے کہ اوّلاً وحقیقتاً مخلوقات میں مومن آپ ہیں اور آپ کے پرتو سے دوسرے لوگ اس طرح مومن ہیں جیسے آفتاب بالاصل منور ہے اور درودیوار اس کے دھوپ پڑ جانے سے منور کہلانے لگے۔

پس حقیقتاً درودیوار منور نہیں ہوتے بلکہ دھوپ اور سورج منور ہوتے ہیں۔ ان کے لگ جانے سے یہ بھی منور کہلانے لگتے ہیں۔ پس اصل میں مومن حضور اکرم ﷺ ہیں آپ کے نامزد ہو کر جس کا حاصل انتیادکلی ہے امتی کو بھی مومن کہا جانے لگتا ہے۔ پس جس طرح دھوپوں کے ٹکڑوں کی اس کے سوا کوئی تعریف نہیں کہ وہ آفتاب کا ایک اثر ہے، اسی طرح مومن کی اس کے سوا کوئی تعریف نہیں کہ وہ پیرونبوی ہے اور اس کی روح وہاں سے کوئی حصہ پائے ہوئے ہے۔ اس کا قدرتی اثر یہ ہے کہ دھوپ کو آفتاب کا نورانی سایہ کہا جائے گا۔ جدھر اس کا رخ ہوگا ادھر ہی دھوپ کی نقل وحرکت ہوگی۔ وہ ٹھہر جائے گا یہ بھی ٹھہر جائے گی، وہ لوٹ جائے گا یہ بھی لوٹ جائے گی۔

اسی طرح مومن بحیثیت مومن حضور ﷺ کا ایمانی سایہ ہے، جدھر کو آپ کے عقیدہ وعمل کا رخ ہوگا ادھر ہی کو اس کا بھی رخ ہوگا۔ پس مومن کی ایمانی نقل وحرکت تابع ہے حضور ﷺ کی ایمانی نقل وحرکت کے اسی کو ادھر سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر دھوپ حرکت کر رہی ہے تو یہ دلیل ہوگی کہ آفتاب ضرور حرکت میں ہے۔ گویا پہلے وہ

حرکت میں آیا تب یہ حرکت میں آئی۔ گویا آفتاب متوجہ ہوا تو دھوپ میں نقل وحرکت پیدا ہوگئی۔ لیکن اس قطعہ دھوپ کی طرف آفتاب کی توجہ کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اب وہ دوسری دھوپوں کی طرف متوجہ نہیں رہا۔ ہمہ تن اسی دھوپ کا ہوگیا۔ بلکہ اسے بھی حرکت میں لارہا ہے اور دوسرے قطعہ ہائے دھوپ بھی اپنی اپنی جگہ اپنے ظرف میں اس کی حرکت سے متحرک ہیں۔ پس بظاہر تو دھوپ آفتاب کی طرف متوجہ ہے اور حقیقت آفتاب دھوپ کی طرف متوجہ ہے۔ اسی طرح بظاہر تو امتی درود وسلام پڑھ کر حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہے۔ مگر حقیقت پہلی توجہ حضور ﷺ کی ہے۔ جس سے اس کے قلب کا رخ حضور ﷺ کی طرف ہوگیا ہے اور جیسے آفتاب ایک قطعہ کی طرف توجہ کر کے ہمہ تن اس ایک قطعہ میں مستغرق نہیں ہوجاتا۔ ایسے ہی حضور ﷺ بھی کسی ایک دو دس امتیوں کی طرف یہ توجہ خاص فرما کر دوسرے امتیوں سے بے رخ نہیں ہوتے اور استغراق کلی فرد واحد کی طرف نہیں ہوتا۔ جس کو دوسرے افراد سے زوال مستغرق سے تعبیر کیا جائے۔ کیونکہ شعب بے انتہا ہیں۔ جن کی طرف توجہ ہے۔

اسی لئے یہ واضح ہوا کہ اگر استغراق ہوسکتا ہے تو پوری امت کی طرف ہوسکتا ہے نہ کہ ابعاض کی طرف۔ لہٰذا استغراق بھی ثابت۔ مگر لجمیع الامۃ اور عدم استغراق بھی مگر لابعاض الامۃ۔ پھر یہ بھی یہیں سے واضح ہوجاتا ہے کہ آفتاب اگر ساری دھوپوں کی طرف متوجہ ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے نفس اور مالک النور کی طرف متوجہ نہیں۔ اگر اس کا رخ خود اس کی ہی اصل کی طرف نہ ہو تو یہ نور ہی اس میں کہاں سے آئے؟ اس لئے وہ اپنے اصل منبع النور یعنی ذات خداوندی کی طرف بلاشبہ رخ کئے ہوئے ہے۔ اس منبع النور کی طرف سے اس کا رخ دھوپوں کی طرف کل کی طرف اور بعض کی طرف کر دیا ہے کہ گویا وہ ادھر سے نور لیتا ہے اور نیچے کو دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح حضور پر نور ﷺ اگر تمام امت یا ابعاض امت کی طرف متوجہ ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ اپنے نفس کریمہ اور اپنے اصل حقیقی یعنی رب العزت کی طرف متوجہ نہیں۔ نہیں بلکہ ادھر متوجہ ہو کر نور لیتے ہیں۔ حاصل شدہ نور کا ذخیرہ اپنے نفس کریمہ میں جمع فرماتے ہیں اور پھر اس مخزن نور سے توجہ امت کی طرف فرماتے ہیں تو امتی بھی بطور رد عمل حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر جس کی صورت صلوٰۃ وسلام ہے نور حاصل کرتے ہیں۔ اسی من جانب اللہ رخ کا اپنے نفس کریمہ کی طرف پھیر نا ذ اللہ روحی سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

اور پھر نفس کریمہ کو امتی کی طرف متوجہ کرنے کو حتی اسلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس رد روح کا مطلب نفخ روح نہیں۔ بلکہ اقبال وتوجہ ہے۔ اس لئے یہ حدیث درحقیقت شرح ہے اس نظریہ کی جو آب حیات کی عبارت میں مرقوم ہے اور اس عبارت قاسم العلوم کی شرح اپنے فکر ناقص سے وہ ہے جو عرض کی گئی ہے۔ واللہ اعلم!

حاصل یہ ہوا کہ سرور عالم ﷺ ہر آن مشاہدہ جمال الٰہی میں بھی مستغرق رہتے ہیں اور امت کی طرف بھی آپ کی توجہ ہر لحظہ مبذول رہتی ہے۔ نہ یہ استغراق توجہ میں مانع ہوتا ہے نہ توجہ استغراق میں۔ یہی وجہ ہے کہ جب

امت کا ایک عارف کامل حالت کشف میں اپنے محبوب کے جمال جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہوا تو اس نے سرورعالم ﷺ کو اس حال میں پایا۔

''ورایته مستقراً علی حالة واحدة متوجها الی الخلق لابساً لباس العظمة فاذا توجه الیه انسان بجهد همته ولا ارید الانسان العالی الهمة فقط بل کل ذی کبد یشتاق الی شئی ویتوجه الیه بقصده وشوقه فانه یتدلی الیه ورایته ﷺ ینشرح انشراحاً عظیماً لمن صلی علیه وسلم ومدحه''

میں نے سرورعالم ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ بندگان الٰہی کی طرف متوجہ تھے۔ پوری توجہ کے ساتھ عظمت وبڑائی کا لباس آپ کے زیب تن تھا۔ جب کوئی خدا کا بندہ ذوق شوق کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھو کہ سرورعالم ﷺ اس سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور ﷺ پر درود وسلام بھیجا اور آپ ﷺ کی تعریف کی تو آپ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یہ کشف ہے ان کا جو عارفوں کے امام اور محدثوں کے سردار تھے۔ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ؒ جسے انہوں نے اپنی مشہور کتاب فیوض الحرمین میں ذکر کیا ہے۔''

(واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم)

(منقول از ماہنامہ دارالعلوم دیوبند بابت ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۳ء)